ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

از حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ

دار العلوم حقانیہ میں کی گئی تقریر

نئے حالات

نئے تقاضے

علماء کی ذمہ داریاں

قانون سازی کا حق کسے حاصل ہے؟

٧؍ اگست ١٩٨١ء کو تعطیل گرما کے دوران حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ طلباء دار العلوم کو اپنی زیارت اور فیوضات سے مشرف فرمانے دار العلوم حقانیہ تشریف لائے۔ دوسرے دن صبح دارالحدیث میں طلباء واساتذہ کے ایک بڑے مجمع سے موجودہ حالات اور تقاضوں کی روشنی میں حکمت وموعظت سے بھرپور خطاب فرمایا۔ اس سے قبل حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے مولانا کے جامع کمالات شخصیت کو خراج تحسین پیش کیا اور فرمایا کہ " مولانا کی شخصیت اس دور میں علوم عقلیہ ونقلیہ احادیث تفاسیر اور زمانہ کے مسائل وحوادث پر گہری نگاہ کے لحاظ سے بے بدل ہے۔ یہ جامعیت ان پر اللہ کا خاص احسان ہے۔ دار العلوم کے ساتھ ابتدائے تاسیس سے حضرت کا جو خصوصی تعلق اور ربط ہے، اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ اس شدید گرمی میں اور بیماری میں کہ ڈاکٹروں نے تمام تحریری و تقریری مشاغل سے منع کیا ہے۔ حضرت نے دار العلوم آنے اور یہاں طلباء کو اپنے علوم ومعارف سے مستفید فرمانے کی زحمت اٹھائی۔ حق تعالی ان کے درجات مزید بلند فرمائے اور اہل علم اور مسلمانوں کو ان کے فیوضات سے سیرابی کا تادیر موقعہ بخشے ـــ دوسرے دن شام تک حضرت علامہ کی دار العلوم کے اساتذہ وعلماء سے بابرکت مجالس رہیں اور شام کو اپنے دولت خانہ ترنگ زئی واپس تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر کی گئی تقریر یہاں

دی جارہی ہے ۔ (ادارہ)

خطبۂ مسنونہ کے بعد ـــــ ان الحکم الا للہ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۔

دارالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث بانی و مہتمم حضرت مولانا عبدالحق صاحب نے میرے بارہ میں جس نیک گمان کا اظہار کیا تو وہ چونکہ مجسم تواضع و خاکساری ہیں۔ ہر دوسری ہستی پر بڑا گمان اور اپنے آپ پر کم گمان ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر یہ سب کچھ فرمایا۔ باقی اندرونی کمالات کے علاوہ ان کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ تو صرف اس سے اندازہ لگائیے کہ اس کا ثمرہ آپ سب کے سامنے بالکل عیاں شکل میں موجود ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علم اور تقویٰ کا نام کیوں زندہ ہے۔ سب حضرات اکابر اپنے اپنے درجہ میں کمال رکھتے ہیں۔ مگر مولانا محمد قاسمؒ کا خیر اور فیض سب پر بھاری اور زیادہ ہوا ایسا مدرسہ قائم ہوا جس کا فیض سارے عالم میں پھیلتا چلا جا رہا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات سب پر کیوں زیادہ ہیں۔؟ حضورؐ نے ایک ایسی امت تیار فرمائی جو قیامت تک من حیث المجموع گمراہ نہیں ہوگی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سو برس نہیں گذرے تھے۔ کہ امت نے ایک خدا سے تین بنا دئے۔ تو اس بنیادی قاعدہ کے تحت اللہ تعالیٰ نے اس سنگلاخ خطہ میں مولانا کے ہاتھ سے ایک ایسا ادارہ قائم فرمایا۔ اور یہ ان کے اخلاص ان کے علم اور تقویٰ کے ثمرات ہیں۔ جس کا خدا نے مشاہدہ کرا دیا کہ ان کے باطن میں جو بھی تھا۔ اللہ نے اسے ظاہر بھی فرمایا۔

آیت جو پڑھی گئی، سورہ یوسف کی ہے۔ مکی سورت ہے۔ آج کل سیاست کا چرچہ ہے۔ سیاست کے عملی قوانین اکثر مدنی سورتوں میں ہیں، لیکن سیاست کے بعض اہم اصول مکی سورتوں میں ہیں کہ من جملہ ان کے یہ آیت بھی ہے۔ حضرت یوسف کے زمانہ سے اعلان ہوتا ہے۔ کہ فرعونیت اور شان و شوکت کا دور دورہ تھا۔

ـــــ تو ایک انسان حکمران کی حاکمیت کے توڑ اور اس کے مقابلہ کے لئے یہ اعلان فرما دیا گیا۔ کہ حکومت صرف اللہ کی ہے۔ اور اس میں درس کا پہلو زیادہ ہے۔ اور کچھ باتیں بالترتیب بیان کی گئیں۔

اول ـــ تعیین کہ قانون کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ یا انسان کی کھوپڑی یا کوئی جماعت ـــ؟ تین احتمال ہو سکتے ہیں۔ قانون کو عربی میں حکم کہتے ہیں۔ قانون کا سرچشمہ اس کے بنانے کا اختیار اللہ کو حاصل ہے۔ ؛ یا انسانوں کو اگر انسان کو ہے اور ایک ہی فرد کو تو اس سے شہنشاہیت آئی۔ یا کئی انسانوں کو ہے۔ اور اکثریت پر فیصلہ ہے۔ تو اس سے جمہوریت یا پارلیمنٹ کا تصور آیا گویا تین چیزیں ہوئیں۔ ۱۔ حاکمیت الٰہیہ

۲. حاکمیت انسانیہ فردیہ۔ ۳. حاکمیت انسانیہ جمہوریہ یا شورائیہ یا جماعتیہ۔

اب دنیا کی کیا صورت حال ہے۔ تو اس نسخے سے یہ بات سمجھیے کہ بعض عمارتیں مرمت چاہتی ہیں۔ اور بعض کو بیخ و بن سے اکھاڑنا ضروری ہوتا ہے۔ اور ہمارا موجودہ نظام زندگی قابل مرمت نہیں کہ کچھ تو فرنگی کا قانون ہو اور کچھ خدا کا۔ ساری عمارت نئے سرے سے بناؤ گے تب کام چلے گا۔ مداہنت سے کام نہیں بنتا کہ امداھنوا وادھنوا۔ تو جس طرح مکانات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ یا پورا انہدام یا مرمت۔ تو سارا کافرانہ نظام بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دینا ضروری ہے۔ اور اپنی طرف سے نہیں کہا شاہ ولی اللہ صاحب کا زمانہ اورنگ زیب سے کچھ بعد کا زمانہ ہے تو اگرچہ اسلامی اثرات باقی تھے مگر بہت کچھ تبدیلیاں اور خرابیاں بھی آگئی تھیں۔ تو شاہ صاحب نے علاج تجویز کیا کہ فک کل نظام۔ ہر موجودہ غیر اسلامی نظام ختم کرانا ہے۔ اور یہ حجۃ حکیم قدیم (شاہ ولی اللہ) نے فرمایا تھا تو "مساٹیر" کے طبقہ کے حکیم یعنی اقبالؒ نے بھی یہی کہا اور فارسی نظم میں خدا سے مکالمہ کی صورت میں فرمایا کہ کافرانہ نظام سے مصالحت کریں یا نہیں سے

گفتا کہ جہانِ ما آیا بہ تو می سازد

موجودہ جہاں تمہارے لیے پسند ہے۔ یہ مغربی تہذیب، مغربی نظام، تمدن وغیرہ

گفتم کہ نہ سے سازد گفتا کہ برہم زند

تو انہدام کے اصول پر حکیم سابق اور حکیم لاحق یعنی شاہ ولی اللہ اور اقبال دونوں متفق ہو گئے۔

اور ان دونوں سے بہت پہلے ایک اور حکیم وقت نے بھی یہی کہا سے

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند

تو نمی بینی کہ آں بنیاں را ویراں کنند

اسلام کی آبادی کرو گے تو فرنگی عمارت ڈھانی ہوگی۔ تو مسئلہ صلح تو ختم ہوا کہ دین کے معاملے میں صلح نہیں ہو سکتا۔ اب عام "مساٹیر" کا طبقہ اعتراض کرتا ہے کہ مولوی تنگ ظرف ہے۔ حالانکہ مولوی ہر چیز میں وسیع النظر ہے، اتنا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ لوگ، بے ہمتی کی وجہ سے ہنڈیا مولوی کے سر پہ پھینک دیتے ہیں، مولوی کہتا ہے زنا مت کرو۔ شراب مت پیو، تو یہ تنگ نظری نہیں۔ مولوی کہتا ہے کہ آخرت کے عذاب اور عذاب قبر کے علاوہ یہاں بھی ان بد اعمالیوں کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ اور اس لئے کہتا ہے کہ شرابی اور زانی کچھ نہ کچھ احساس تو کریں اس کا ـــــ ایک دوست نے کہا کہ مسلمانوں نے اپنی تاریخ میں سقوط مشرقی پاکستان کی طرح شکست نہیں کھائی۔ میں نے کہا یہ تو مسلمان

نے شکست نہیں کھائی۔ ایک بہادانی نے رانی (جنرل رانی) کو شکست دی۔ رانی ہمارے صدر یحیٰ کی معشوقہ تھی ــــ تو جو ملک نشاہ شہید سے لیکر سینکڑوں من خون سے سینچا گیا تھا۔ اور حاصل کیا گیا تھا۔ اسے شراب اور عورت نے ڈبو دیا۔ تو کیا پھر بھی مولوی کی بات تنگ نظری ہے۔ مولوی کا پاؤں تو اتنا آزاد ہے کہ کسی مسٹر کا اتنا آزاد نہیں۔ بوٹ گرگابی جوتے چپل سب کچھ پہن سکتا ہے مسٹر کا پاؤں سوٹ کے ساتھ بوٹ کے جیل خانہ میں بند ہوتا ہے۔ دوپلی ٹوپی گول ٹوپی ہر قسم کی ٹوپی پہن سکتا ہے۔ پگڑی بھی ہے، رومال بھی باندھ لیتا ہے۔ اور اصل مسٹر وہ جو ہر وقت صرف ٹوپ پہنے رہے۔ تو یورپ کے نقالی کرنے والے کسی مسٹر کا سر آزاد نہیں پاؤں آزاد نہیں، جسم آزاد نہیں۔ ہیٹ یعنی ایک ڈگری نما ٹوپی ضروری ہے۔ مولوی کا پاخانہ آزاد ہے۔ مسٹر کا کموڈ میں بند ہے۔ ادھر ادھر نہیں ہو سکتا خبردار لاتتحرک اور مولوی کی وسعتوں کا کوئی حد نہیں۔

الغرض اللہ نے حکم کا سرچشمہ اپنی ذات کو قرار دیا۔ ان الحکم الا للہ کہہ کر توحید فی الحاکمیت کا اعلان فرمایا قانون کے سلسلہ میں تین باتیں ہیں۔

۱۔ تعیین ۔ ۲۔ توضیح ۔ ۳۔ توسیع ۔ اصل قانون پھر اسکی وضاحت اور اسکی وسعت۔ اگر قانون جب خدا کا حق ہے تو اسکی توضیح کا حق خدا اور اس کے نبی کا ہے یا مسٹر پرویز کا ہے۔

امام سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے کسی قانون کی جو بھی وضاحت فرمائی خدا کی تفہیم اور اشارہ سے فرمائی۔ لتبین للناس ما نزل الیہم اور ارشاد ہے۔ یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ۔ اس طرح قانون کے دائرہ کی توسیع بھی الگ چیز ہے۔ اور اصل قانون کا مطلب سمجھ میں آجائے یہ توضیح ہے احل اللہ البیع وحرم الربوا۔ تجارت اور سود کیا چیز ہے ؟ ہر تجارت میں ربوا یعنی زیادت تو آتی ہے۔ پھر تجارت کون کرے گا۔ تو یہاں تجارتی ربوا مراد ہے۔ یا خاص شکل ہے۔ تو حضورؐ نے اسکی تشریح فرمائی کہ الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ۔ الخ۔ اور توسیع کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک تم منصوص پہ غیر منصوص احکام ومسائل قیاس کرکے استنباط کرتے رہو۔ یہ بھی ثابت چیز ہے۔ ارشاد ہے۔

لعلمہ الذین یستنبطونہ منکم فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔

قرآن میں ہے الیوم اکملت لکم دینکم۔ اور تکمیل تب ہوگا کہ توسیع کا دائرہ ہو کوئی پوچھے گا۔ کہ چلتی گاڑی میں نماز ہوگی یا نہیں۔ ہوگی تو کس طرح؟ تو صحاح ستہ اور کنز العمال سارے پڑھ لو ریل گاڑی کا ذکر نہیں ملے گا۔ تو ائمہ اجتہاد نے جیسا کہ اجتہاد کیا جو چیز زمین سے پیوست ہو اور وہ حرکت کرے

اور آدمی اس میں سوار ہو تو بہتر یہ ہے کہ ریل اسٹیشن پر کھڑی ہو جائے تو نماز پڑھے ایسا موقعہ نہ ملے تو گاڑی میں رخ بقبلہ ہو کر نماز شروع کرے پھر جس طرف گاڑی مڑے یہ قبلہ کی طرف مڑتا رہے۔ یدور کیف ما دارت۔ یہ ضروری ہے فقہی مسئلہ یہ ہے۔ اور ہوائی جہاز میں ہماری تحقیق کے مطابق یہ ہے کہ جہاز اڑنے پر اترنے تو نماز پڑھ لے، دوران پرواز نہ پڑھے، زمین پر استقرار اور قبلہ رخ ہونا ضروری ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ میں جب مدینہ منورہ پہنچا تو علماء کے درمیان اختلاف تھا۔ کہ بحری جہاز میں نمازی قبلہ رخ ہو کر نماز شروع کر دے اور رفتار میں جہاز رخ تبدیل کر دے تو نمازی پرانے رُخ پر قائم ہوگا۔ یا اپنا رخ نماز میں تبدیل کرے گا۔ حیران تھے مولانا آئے تو کہا جاء العالم الھندی۔ (ہندوستانی عالم آ گئے)

مولانا عبدالحی فرماتے ہیں کہ پھر میں نے مسئلہ تبلایا، فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالہ سے۔ کہ یدور کیف ما دارت۔ انہوں نے تسلیم کر لیا۔ خیر یہ تو فقہی بحث تھی۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ قانون کا سرچشمہ ذات رب العالمین ہے۔ تو خدا بلحاظ حکومت و قوت بھی یہ بات ہو سکتا ہے۔ مگر صرف حکومت کے زور پر نہیں حکمت کے زور سے بھی اس کے مستحق ہیں کہ قانون صرف وہی بنائے۔ اس لئے کہ انسان کو انسان نے نہیں خدا نے بنایا ہے۔ اب تصرف بھی اسی کا حق ہے۔ اس لئے کہ اس کے اندرونی و بیرونی ضروریات اور تقاضوں سے صرف وہی واقف ہے۔ خالق کائنات کی علم حیات انسانی کے تمام ادوار پر محیط ہے تو اُسے ہی ضروریات معلوم ہیں دنیا کی زندگی کا الگ دور ہے۔ قبر برزخ کی زندگی اس کے بعد بعثت کا دور جنت اور جہنم کا دور مختلف ادوار ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک دور میں ایک چیز نافع ہو تو دوسرے دور میں بھی ایسا ہو یا ایک کو مفید ہو تو دوسرے کیلئے بھی مفید ہو تو قانون وہی بنا سکتا ہے جسے ہر دور کے ضروریات اور تقاضے معلوم ہوں۔ اور وہ صرف خدا کی ذات ہو سکتی ہے۔ انسانی قوانین میں یہ جامعیت اور احاطہ نہیں ہو سکتا۔ موسم کی مثال دیتا ہوں کہ جولائی اور برسات کے مہینے میں کسی نے پوچھا کونسا لباس پہننا چاہیے پارلیمنٹ فیصلہ کرے کہ ململ اور ویل۔ کہاں سونا مفید ہے، کہے باہر۔ کیسا پانی پیا جائے۔ کہے برفاب ٹھنڈا ۔۔۔۔۔ اب جولائی کے بعد جنوری کا مہینہ آ جائے تو ویل اور ململ پہن کر باہر کھلے میدان میں سو جائے۔ برف کا پانی مانگنے تو لوگ کہیں گے یہ تو احمق ہے۔ اس موسم کا قانون تو انگیٹھی، پوستین، سویٹر گرم لباس ہے۔ کمرہ میں سونا ہے۔ لیکن کسی نے اعتراض کیا تو کہے کہ پارلیمنٹ نے پاس کیا ہے۔ لوگ کہیں گے کہ احمق وہ قوانین جولائی کے مہینہ کے لئے تھے تم اسے جنوری میں اپناتے ہو۔ دنیا

کے ماہرین یہی بے وقوفی اور حماقت دین کے احکام اور آخرت کے ساتھ کرتے ہیں۔
مثلاً کہا جاتا ہے کہ شراب دنیا میں خون پیدا کرتی ہے۔ اوّلاً تو یہ تسلیم نہیں۔ اگر صحیح بھی ہو تو کیا آخرت میں بھی اسکی یہی تاثیر ہوگی۔؟ نہیں بلکہ وہاں کے لئے تو یہ زہر جیسی تاثیر رکھتی ہے۔ موسم تبدیل ہوگیا دنیا میں اور موسم قریبی تبدیلی کی وجہ سے احکام متضاد بن جاتے ہیں۔ تو دنیا اور آخرت کی اتنی بڑی تبدیلی سے احکام نہ بدلیں گے جس کو تم مفید پاتے ہو وہ مضر ہوگا ——— یورپ شراب کی تحقیق پر جو کمیٹی مقرر ہوئی تو اس نے رپورٹ میں لکھا کہ شراب نوشی زندگی اور حافظہ دونوں کے لئے مضر ہے۔ جس کا تجربہ یہ کیا گیا کہ کتیا کے دس بچے پائے گئے تو کو شراب پلائی گئی ایک کو نہیں۔ تو نوشرابی بچے پہلے مرگئے اور غیر شرابی بچہ عمر دراز تک زندہ رہا۔ پھر دو مساوی ذہن کے انسانی بچے لائے گئے۔ شراب نوشی سے قبل دونوں کا حافظہ برابر تھا۔ پھر ایک کو شراب پلائی گئی، دوسرے کو نہیں پہلے بچے کو ایک صفحہ حفظ کرایا گیا۔ پھر سوا صفحہ، پھر ڈیڑھ پھر دو۔ بتدریج اس کے حافظے میں ترقی ہوتی رہی۔ شرابی بچہ نے ایک صفحہ سے پون صفحہ پھر نصف صفحہ کی شروع کر دی۔ اس رپورٹ کے تحت امریکہ نے ۱۹۳۷ء سے شراب پر پابندی لگائی مگر جو چیز گھٹی میں شامل تھی وہ کب نکل سکتی تھی، اس لئے امریکہ کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

خالق انسان کو یہ چیزیں معلوم تھیں، پہلے سے حرمت خمر کا قانون بنایا۔ حضرت علیؓ کا ایک قول جسے صاحب روح المعانی نے نقل کیا ہے کہ اگر کسی کنویں میں ایک قطرہ بھی شراب کا گر جائے اس کنویں کے کنارے پر جو منارہ بنا دیا جائے۔ اس پر اذان نہ دوں گا۔ اس کے موذن تک شراب کی خباثت پہنچ جائے گی جیسے ہمارے اس مسجد (مسجد دارالعلوم حقانیہ) کا یہ بڑا مینار ہے۔ شراب کی نجاست اور بے ایمانی کا اثر اس اونچے سرے تک پہنچ جائے گا۔

جمہوریت ——— تو پہلی چیز علم محیط ہے، دوسری بات یہ کہ قانون بنانا ایک تصرّف اور اختیار ہے تو کیا کسی دوسرے کے کھیت میں کسی دوسرے کا اختیار چل سکتا ہے۔؟ ہمارا یہ وجود اور یہ جسم خدا کا ہے۔ یا پارلیمنٹ کا۔؟ زمین خدا نے پیدا کی یا پارلیمنٹ کے ارکان نے۔؟ زمین، ہوا، شمس و قمر خدا کے قبضۂ حکومت میں ہیں۔ پارلیمنٹ بھی بلا فائدہ نہیں۔ اس کے لئے بھی چند چیزیں چھوڑیں جہاں خدا کا حکم آیا وہاں سب کا سر تسلیم خم ہوگا۔ اور بعض ایسی باتیں جو دائرہ منصوصات سے باہر ہیں مثلاً ہندوستان سے لڑائی کیسے کرو۔؟ اسلحہ ڈپو کس طرح سپلائی ہو؛ جنگ بندی کا معاہدہ کن شرائط پہ ہو۔؟ راشن ڈپو کہاں کہاں قائم کئے جائے۔؟ سپہ سالار یا کمانڈر کون موزوں ہے۔؟ مثلاً زمین کی آبپاشی

اور تغیر کی کیا ضرورت ہے۔ ان سب باتوں میں پارلیمنٹ سے مشورہ لیا جائے۔ ماہرین کی رائے لی جائے۔ یہاں مولوی بھی دعویٰ نہیں کرے گا کہ مجھ سے پوچھا جائے۔ انہیں تو دین کا دعویٰ ہے۔ آج تو وزیر صحت وہ ہوتا ہے جو صحت کی الف بے سے بے خبر ہو۔ وزیر تجارت وہ ہوتا ہے۔ جو تجارت کے ابجد سے واقف نہ ہو۔ حدیث میں ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر الناس مشورۃً لاصحابہ۔ مگر مشورہ کیسا ہونا چاہیے؟ علمائیوں کا کا فرانہ ملعون مشورہ نہیں کہ ہاتھ اٹھا دو۔

ایک طرف سات ہاتھ اٹھے دوسری طرف چھ سات سنے جو کہا وہ صحیح، دو دونے چار۔ اگر دوسری طرف ووٹ زیادہ ہوتے تو حقائق ووٹ سے بدل جاتے ہیں۔ لاسلے تمہارا ہاتھ اوپر گیا یا دائیں یا بائیں۔ اس سے حقائق عالم کیسے بدل سکتے ہیں۔ ایک طرف چھ امام غزالیؒ بھی ہوں مگر دوسری طرف سات خالص گدھے، تو گدھے جیت جائیں گے۔

برادران اسلام! وشاورھم فی الامر کے تحت ابن کثیر نے نقل کیا ہے جو من حیث الروایۃ۔ حضورؐ نے شیخینؓ (حضرت صدیقؓ وحضرت فاروقؓ) کو فرمایا: لو اجتمعتما علی امر ما خالفتکما۔ اور سب صحابہؓ ایک طرف اور تم دونوں کی رائے ایک طرف۔ تو تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ تم دونوں کے ووٹ کے مقابلہ میں ہزار ہا ہزار ووٹوں کو ترجیح نہیں دوں گا۔ تو کیفیت کا لحاظ ہے کمیت کا نہیں۔ کلائیوں کی گنتی پر نہیں عقل پر مدار ہے۔

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے۔ جس میں مردوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔ جمہوریت جو ہمارے مودودی صاحب کو بہت پسند ہے۔ اس میں کھوپڑیاں گنتے ہیں تولتے نہیں کہ اندر بھوسہ ہے یا مغز۔ ایک صاحب جو آکسفورڈ سے نئی نئی ڈگری لے کر آئے تھے، مجھ سے پوچھا کہ جمہوریت کیا چیز ہے؟ تو میں نے جمہوریت کی حقیقت بتلا دی کہ:

"جہل کو علم پر اور بے عقلی کو عقل پر مسلط کرنا۔"

کہا، کیسے؟ میں نے کہا پہلے آپ سے پوچھتا ہوں کہ عقلاء کی تعداد زیادہ ہے یا بے عقلوں کی، کہا بے عقلوں کی ——— پھر میں نے کہا کہ الیکشن میں فیصلے اکثریت پر ہوتے ہیں یا اقلیت پر، کہا، اکثریت پر۔ پھر جو وزیر یا صدر منتخب کیا گیا، تو بے عقلوں ہی کی رائے پر۔ تو گویا بے عقلی کو عقل پر مسلط کیا گیا۔ خداوند کریم نے یہی حقیقت بیان فرمائی ہے، جنہیں معلوم تھا کہ بیسویں صدی میں اکثریت پر فیصلے ہوں گے۔ فرمایا: ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ اکثریت کے فیصلے جہل پر، حماقت پر، بے وقوفی پر مبنی ہوتے ہیں۔ (باقی آئندہ)